Fikr-o-Nasar (Islamabad) 6:3 (1968) © rasailojaraid.com

اخبار

ملائشیا کا اسلامی وفد

۲۴ جولائی ۱۹۶۸ء کو مملکتِ ملائشیا کا ایک سرکاری وفد ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی میں تشریف لایا۔ یہ وفد ان چار ارکان پر مشتمل تھا، جناب عبدالرحمٰن یعقوب وزیرِ اراضی و معدنیات، ڈاکٹر حاجی عبدالجلیل حسن پرنسپل مسلم کالج کالالم پور، حاجی ابوبکر بن حمزہ پروفیسر و ممبر پارلیمنٹ اور علی بن عبداللہ پرنسپل اسسٹنٹ سیکرٹری وزارت خارجہ ملائشیا۔ جناب عبدالرحمٰن یعقوب وفد کے قائد تھے ———— قائد وفد نے اپنے دورے کی غرض وغایت بتاتے ہوئے فرمایا کہ حکومتِ ملائشیا ایک انٹرنیشنل اسلامی کانفرنس منعقد کرنے پر غور کر رہی ہے۔ اس کانفرنس کے اصل محرک ملائشیا کے وزیرِ اعظم تنکو عبدالرحمٰن ہیں۔ وزیرِ اعظم ملائشیا مسلمانوں کو درپیش معاشرتی، معاشی اور اقتصادی مسائل پر غور کرنے کے لئے اسلامی دنیا کے مفکّرین کو اس کانفرنس میں دعوت دیں گے۔ ان کی خواہش ہے کہ مسلم زعماء اس طرح جمع ہو کر ان مسائل کا حل سوچیں، وزیرِ موصوف نے ان پیش آمدہ مسائل کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بتایا کہ مسلم ممالک کے نوجوان اس وقت مذہب سے روز بروز دُور ہوتے جا رہے ہیں۔ اور وہ دین سے کھلم کھلا بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے ملک کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ ملائشیا میں طالب علموں کے ایک بڑے مجمع میں جب یہ سوال پوچھا گیا کہ کیا وہ کسی مذہب پر ایمان رکھتے ہیں، تو طلبہ کے اس مجمع کے ایک بڑے حصے نے ہاتھ اُٹھا کر بتایا کہ وہ کسی مذہب پر ایمان نہیں رکھتے۔ اسی طرح جب ان سے یہ سوال کیا گیا کہ وہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں یا نہیں۔ تو طلبہ کی کثیر تعداد نے ہاتھ اُٹھا کر بتایا کہ وہ خدا پر ایمان نہیں رکھتے۔ وزیرِ موصوف نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ مسلمان نوجوانوں کی مذہب سے موجودہ بےزاری کا اصل سبب دینِ اسلام کی درس و تدریس اور افہام و تفہیم کا وہ نظام ہے جو کبھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑا متحرک اور کارآمد تھا لیکن اب بالکل فرسودہ ہو چکا ہے۔ اسی طرح جو حضرات دین کی نشر و اشاعت میں مصروف ہیں، وہ دینی علوم کو جدید معاشرتی علوم کے ساتھ مطابقت دینے میں بُری طرح ناکام ہو چکے ہیں۔ اس لئے کہ وہ خود جدید معاشرتی علوم سے واقف نہیں۔ انھوں نے کہا کہ ملائشیا کے دردمند اور سنجیدہ لوگ اس صورتِ حال کو بڑی تشویش کی نظر سے دیکھتے ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ اس صورتِ حال کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ خود انہوں نے اپنے صوبے سراوک مشرقی ملائشیا میں ایک تحریک شروع کی تھی، جس کا مقصد نوجوان طلبہ کو جدید معاشرتی علوم کے ساتھ ساتھ دینی علوم کو جدید تقاضوں کے مطابق پڑھانا تھا۔ اسلامی نظامِ تعلیم کا مغربی مشنری جدید سکولوں اور کالجوں سے مقابلہ کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ مسلمانوں کا روایتی نظامِ تعلیم اس جدید مشنری طریقِ تعلیم کے مقابلے میں بُری طرح ناکام ہو گیا ہے۔ اسی لئے مسلمان والدین اسلام پسندی اور دینی حمیت کے باوجود اپنی اولاد کو مشنری اسکولوں میں بھیجنے پر مجبور ہیں، اور مسلمان طلبہ اپنے دینی اور اسلامی تعصب کے باوجود دینی مدارس کے بجائے مشنری سکولوں میں پڑھنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اُنھوں نے بتایا کہ مسلمان والدین اور مسلمان طلبہ اس بات سے پوری طرح واقف ہیں کہ ان عیسائی مشنری سکولوں میں الحاد اور بے دینی کی طرف مائل ہونے کے کافی امکانات موجود ہیں۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ عیسائیت نے صلیبی جنگوں میں شکست کو ابھی تک نہیں بھلایا۔ اور وہ مسلسل اس کا بدلہ لے رہی ہے۔ لیکن بیسویں صدی میں زندہ رہنے کے لئے جدید معاشرتی علوم اور سائنس کے حصول کے لئے جو نظامِ تعلیم اور طریقِ تعلیم مغربی اقوام نے اپنایا ہے، جب تک مسلمان اپنے مزاج کے مطابق نیا نظامِ تعلیم معرضِ وجود میں لانے کے قابل نہیں ہو جاتے، مسلمان طالب علم اس نظامِ تعلیم کے تحت تعلیم حاصل کرنے پر مجبور رہیں۔

پچھلی صدیوں میں یورپی اقوام کے مشرقی ممالک پر فوجی اور سیاسی تسلط کا ذکر کرتے ہوئے وزیر موصوف نے بتایا کہ اس تسلط سے مشرقی اقوام میں سے سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کو پہنچا ہے۔ وہ اپنے ماضی سے کٹ گئے۔ اور ایک طویل مدت تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہے۔ سیاسی و فوجی شکست سے لے کر موجودہ آزادی کے درمیانی دَور کو انہوں نے انتہائی گہری خلیج اور بہت وسیع خلاء سے تعبیر کیا، اسی کے نتیجے میں زبردست معاشرتی اور معاشی مسائل کے سیلاب کا آغاز ہُوا۔ دورِ غلامی میں جہاں غیر مسلم مشرقی اقوام کو بہت سے فوائد حاصل ہوئے، وہاں مسلمان اقوام کو سب سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ نقصان ہُوا۔ اسلام کی دیرینہ دشمن مغربی عیسائی اقوام نے اپنی ماضی کی تمام شکستوں اور ہزیمتوں کا بدلہ لینے کے لئے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق مسلمانوں کے تمدن، معاشرت اور معیشت اور دین کو تباہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ اور یہ صورتِ حال فوجی پسپائی کے باوجود جاری ہے۔ وزیر موصوف نے کہا کہ صلیبی جنگیں ابھی تک جاری ہیں۔ اور اسلام اور عیسائیت کا معرکہ ابھی زوروں پر ہے۔ عیسائیت کھلم کھلا اس معرکے کا ذکر کرتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلی جنگِ عظیم کے دَوران جب دمشق پر عیسائیوں کا قبضہ ہُوا تو ایک عیسائی نے علی الاعلان کہا کہ ہم نے صلیبی جنگوں کا بدلہ لے لیا۔

جناب عبدالرحمٰن یعقوب نے کہا کہ حکومت ملائشیا اور عوام معاملے کی اس نوعیت کو بڑی سنجیدگی سے دیکھتے ہیں۔ اور انہیں مسلمانوں کی موجودہ پسماندگی پر بڑی تشویش ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے موجودہ پیچیدہ مسائل کا کوئی مثبت اور فوری حل تلاش کیا جائے تاکہ مسلمان دوبارہ اقوام عالم میں اپنا کھویا ہُوا وقار حاصل کرسکیں۔ انہوں نے حکومتِ پاکستان اور پاکستانی عوام کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان اس اعتبار سے تمام مسلمان ممالک کے لئے باعثِ فخر بنتا جا رہا ہے کہ اس نے مسلمانوں کو درپیش مسائل کے حل کے لئے کئی کوششیں کی ہیں۔ دورِ جدید کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہاں کی حکومت نے عائلی قوانین نافذ کئے ہیں جن سے حکومتِ ملائشیا اور دوسرے مسلم ممالک کافی حد تک فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

وزیر موصوف کی تقریر کے بعد ادارے کے ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے ملائشیا کے وزیر اعظم جناب تنکو عبدالرحمٰن صاحب کی انٹرنیشنل اسلامی کانفرنس کے انعقاد کی تجویز کی پُرزور حمایت کی اور وزیر موصوف کے خیالات کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت مسلمانوں کو کئی معاشی اور معاشرتی مسائل درپیش ہیں۔ اور بتایا کہ حکومتِ پاکستان ان کے حل کے لئے پوری طرح سرگرم ہے، اور کسی بھی مسلمان ملک کی طرف سے ایسے اقدام کی حمایت کرتی ہے۔ اور اس کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہے۔

ڈاکٹر شیلا میکڈونو

جولائی ۱۹۶۸ء کے آخری ہفتہ میں کینیڈا کی مشہور مستشرق ڈاکٹر شیلا میکڈونو (SHIELA MCDO-NOUGH) ادارے میں آئیں۔ ڈاکٹر میکڈونو کینرڈ کالج لاہور میں (۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۱ء) لیکچرر رہ چکی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انہوں نے ۱۹۶۳ء میں میک گل یونیورسٹی کینیڈا کے شعبہ علومِ اسلامیہ سے پی۔ ایچ۔ڈی کی ڈگری لی۔ اور آج کل سر جارج ولیمز یونیورسٹی مونٹریال کینیڈا کے تقابلِ ادیان کے شعبہ کے سربراہ کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں۔ ڈاکٹر میکڈونو اپنے قیامِ پاکستان کے دَوران اور اس سے پہلے اُردو زبان سے خاص دلچسپی رکھتی تھیں اور اُنھوں نے اس میں خاصی دسترس حاصل کر لی۔ چنانچہ اب وہ اُردو اچھی طرح پڑھ اور سمجھ سکتی ہیں۔ قیامِ پاکستان کے دوران انہیں جناب غلام احمد پرویز صاحب اور ان کے افکار و خیالات سے دلچسپی پیدا ہوئی اور انہوں نے اپنے لاہور کے قیام کے دَوران ہی پرویز صاحب کی تصنیفات اور آراء کا مطالعہ شروع کر دیا۔ لاہور میں پانچ سال کے قیام کے بعد وہ واپس کینیڈا چلی گئیں اور پرویز صاحب اور ان کے افکار پر اپنا پی۔ ایچ۔ڈی کا مقالہ مکمل کیا۔

پروفیسر میکڈونو نے پرویز صاحب کی دعوت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اُنہوں نے جو نظامِ ربوبیت پیش کیا ہے، اُس کے بارے میں اُن کا یہ دعویٰ کہ اُس کے تمام اصول و مبادی قرآن میں بیان کر دیئے گئے ہیں، محلِ نظر ہو سکتا ہے۔ پروفیسر موصوفہ کے نزدیک پرویز صاحب کی کوشش یہ ہے کہ وہ مسلمان طبقے جو سائنس اور ٹیکنالوجی کے فروغ کی وجہ سے اسلام سے دُور ہٹتے جا رہے ہیں، اُنہیں اسلام سے برگشتہ نہ ہونے دیں۔ موصوفہ نے شکایت کی کہ پرویز صاحب مغربی مصنفین کی کتابوں سے جو اقتباسات دیتے ہیں، وہ اُن مصنفین کے افکار کی صحیح ترجمانی نہیں کرتے، پھر اس ضمن میں اکثر وہ سارے حوالے بھی نہیں دیتے۔

علاوہ ازیں آج کی دنیائے اسلام کے بعض دوسرے مسائل بھی زیرِ بحث آئے، عرب دنیا میں آج جو سوشلزم یا اشتراکیت کا اثر بڑھ رہا ہے، اُس کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے پروفیسر موصوفہ نے بتایا کہ اس ضمن میں مَیں الجزائر کے تجربہ سے زیادہ متاثر ہوئی ہوں۔ وہاں اس بارے میں ذہنی انتشار کم ہے۔ اُن سے کہا گیا کہ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ الجزائر پر فرانس کا بہت زیادہ فکری و تمدنی اثر پڑا ہے۔ اُنہوں نے اس خیال سے اتفاق کیا۔

اسلام اور دنیائے اسلام کے متعلق یورپی مستشرقین کے رویئے کا مسئلہ بھی زیرِ بحث آیا۔ موصوفہ نے کہا کہ بے شک مستشرقین یورپ کے بدلتے ہوئے فکری ماحول اور اپنے ملکوں کی سیاسی اغراض سے متاثر ہوتے رہے ہیں۔ نیز یہ کہ اُن کا رویہ برابر بدلتا رہا ہے، جو شروع میں تھا، وہ بعد میں نہیں رہا، اور جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ج ہے وہ ایک صدی پہلے نہ تھا۔

ڈاکٹر شیلا میکڈونو کے ساتھ جارج ولیمز یونیورسٹی کے شعبہ تقابلِ ادیان کے ایک پروفیسر بھی تھے، اُنہوں نے یورپ کی احیائے مذہب کی تحریکوں پر تحقیقی کام کیا ہے، اُن سے بھی بعض سوال جواب ہوئے۔ (محمد یوسف گورایہ)۔

ڈاکٹر عبدالرحیم کا مقالہ

۶ اگست کو کراچی یونیورسٹی کے تاریخ کے پروفیسر ڈاکٹر عبدالرحیم ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی میں تشریف لائے۔ آپ نے "اورنگ زیب عالمگیرؒ بحیثیت ایک آئیڈیل مسلمان حکمران" مقالہ پڑھا۔ پروفیسر صاحب نے بتایا کہ عالمگیرؒ کی صحیح تصویر اُس کے خطوط میں جو اُس نے بکثرت اپنے بیٹوں، امراء اور دوسرے عہدے داروں کو لکھے، نیز اُس کے شاہی فرامین میں ملتی ہے۔ جہاں تک شہنشاہ کی شخصی زندگی کا تعلق تھا، اُس کی کوشش تھی کہ وہ ایک مومن قانت کی زندگی گزارے۔ چنانچہ وہ بڑی پابندی سے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتا، رمضان کے روزوں کے علاوہ بھی ہر مہینے میں چند روزے رکھتا۔ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف میں بیٹھتا۔ اُس کی یہ بھی کوشش تھی کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے کام کر کے کچھ کمائے۔ اُس کی زندگی انتہائی سادہ تھی۔ بہت کم سوتا، اور اُس کا سارا وقت اُمورِ سلطنت کے نظم و نسق میں گزرتا۔ وہ سب کے ساتھ انصاف کرتا۔ اور اگر رعایا کے کسی فرد پر زیادتی ہوتی، تو وہ پوری داد رسی کرتا۔

پروفیسر صاحب نے کہا کہ بے شک اُس نے ہندوؤں پر جزیہ لگایا۔ اور اس کی وجہ سے ہندوؤں کے بعض طبقوں میں ناراضگی پیدا ہوئی، لیکن اس سے قطع نظر ہندو امراء کے تقرر اور اُن کو سلطنت کے اعلیٰ عہدے دینے میں اُس کا طریقہ کار وہی تھا، جو اُس کے باپ دادا کا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ عالمگیرؒ کے اس اقدام سے اس کے سیاسی تدبر پر حرف آئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ بحیثیت ایک مسلمان اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ ایک مسلمان حکمران پر فرض ہے کہ وہ غیر مسلموں پر جزیہ عائد کرے۔ پروفیسر عبدالرحیم نے بتایا کہ اس کے ساتھ آپ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ اُس نے کوئی بیس ٹیکس جو زیادہ تر غیر مسلموں سے وصول کئے جاتے تھے محض اس بنا پر منسوخ کر دیئے کہ وہ اُس کے نزدیک غیر شرعی تھے۔ ایک مؤرخ کے نزدیک ان ٹیکسوں کی مجموعی آمدنی سلطنتِ ایران کی کُل آمدنی کے برابر تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اُس کے مقابلے میں جزیئے کی رقم کہیں کم تھی۔

صاحبِ مقالہ نے عالمگیرؒ کے فرامین، خطوط اور معاصر تاریخوں سے اقتباسات پڑھ کر بتایا کہ جہاں تک اُمورِ جہانبانی کا تعلق ہے، عالمگیرؒ مسلمان اور غیر مسلم اور سُنّی اور شیعہ میں کسی قسم کا امتیاز روا نہیں رکھتا تھا، اور سرکاری ملازمتوں اور عہدوں کے دروازے سب کے لئے کھُلے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ عالمگیرؒ کے عہد میں بعض مندر گرائے گئے لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ عالمگیرؒ نے بہت سے مندروں کو جاگیریں بھی دیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ بعض مندروں کا گرایا جانا مذہبی بنا پر نہ تھا، بلکہ اس کے وجوہ سیاسی و تعزیری تھے۔

پروفیسر صاحب نے عالمگیرؒ کی بعض دوسری پالیسیوں پر بھی روشنی ڈالی، اور اس کے بارے میں جو تاریخی افسانے مشہور ہیں، اُن کی تردید کی، موصوف نے کہا کہ آخر کار عالمگیرؒ ایک شہنشاہ ہی تھا، اور ایک شہنشاہ کی حیثیت سے اُسے بہت کچھ کرنا پڑا، لیکن ان تمام باتوں میں اُس کی برابر یہ کوشش رہی کہ ایک سچے اور مخلص مسلمان کی حیثیت سے اُس کے جو فرائض ہیں، وہ حتی الوسع انہیں بجالائے۔

مقالے کے بعد معزز مہمان سے متعدد سوال پوچھے گئے۔ ایک سوال کے جواب میں اُنہوں نے کہا کہ بے شک وہ دینی اور اخلاقی بیداری جس نے آگے چل کر برصغیر میں احیائے اسلام کی تحریک کی شکل اختیار کی، عالمگیرؒ سے پہلے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دور میں شروع ہو چکی تھی۔ اور عالمگیرؒ بھی بہت حد تک اس سے متاثر ہُوا۔ بعد میں اسی سلسلہ کے بزرگ شاہ ولی اللہؒ ہیں، یہی تحریک آگے چل کر اُن عوامل کو جنم دیتی ہے، جس کی مادی تعبیر آج ہمیں پاکستان میں نظر آتی ہے۔ (م۔س)

© rasailojaraid.com